ڈاکٹر فریحہ نگہت
پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین،
ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں مابعد الطبیعیاتی عناصر

Qurat-ul-Ain is a prominent and renowned urdu short stories writer. Being a verstile writer her short stories are a good blend of multi facets of metaphysical elements. Her short stories mythologies adequately highlight metaphysical elements from Greek, Hindi and Islami reflections of elements like time and space romanticism and mysticism, revealing genesis of different civiliztions etc. In this article an endeavour has been made to elucidate metaphysical elements in her selective short stories.

قرۃ العین حیدر اردو افسانے کا ایک اہم نام ہے۔ ان کے ہاں وہ تمام طبیعیاتی و مابعد الطبیعیاتی تصورات موجود ہیں جو ان کے افسانوں میں سحر کاری، ماورائیت اور اسراریت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تاریخیت ہے جس میں دیو مالائی اسرار ہیں، پرانی تہذیبوں کی اساطیر ہیں جن کا دائرہ کار انبیائے بنی اسرائیل، قدیم مصر، وسط ایشیائی متصوفانہ روایات، انجیلی روایات اور کربلا کے روحانی واقعات سے جڑتا ہے۔ ان کے ہاں اعلیٰ روحانی اقدار اور تصوف کی روایات کے تناظر میں وجودیت کو سمجھنے کے مسائل بھی ہیں اور ماضی کی بازیافت کا عمل بھی ہے ۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں جڑوں کی تلاش اور تشخص کی بازیافت اہم ترین موضوعات ہیں۔ زندگی کے موضوعات کا وہ کون سا پہلو ہے اور اسالیب و تکنیک کی وہ کون سی جہات ہیں جو ان کے افسانوں میں نظر نہیں آتیں۔ قرۃ العین حیدر نے ہر رنگ میں افسانے لکھے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ایک تاریخ چھپی ہے جس کا رشتہ ماضی ، حال اور مستقبل تینوں سے جڑا ہوا ہے۔ مہدی جعفر کے الفاظ میں: ’’ قرۃ العین حیدر کے یہاں تاریخیت ہے۔ جس میں دیومالائی درز کھل جاتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے تاریخی شعور کے نیچے کا تہ خانہ دیومالائی سرحد سے جڑا ہوا ہے‘‘۔[1]

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں مابعد الطبیعیاتی رنگ عہد نامہ عتیق، قصص قرآن، تورات، انجیل، قصص الانبیاء، کربلا کے واقعات، قدیم آریائی عہد کی فضا ،داستانوی رنگ، تاریخیت، تہذیبی جڑوں کی تلاش، اساطیر، عقائد و توہمات، ماضی کی بازیافت، زمان و مکاں کی حد بندیوں سے آزادی، قدیم داستانوں کی سی حیرت زائی، رومانی داستانوں کے رنگ، دیومالا، صوفیائے کرام کے ملفوظات، آسمانی صحیفوں کی فضا، بودھ جاتکا، پرانوں اور روحانیت کے جملہ عناصر سے پیدا ہوا ہے۔ ڈاکٹر نگہت ریحانہ کی رائے میں:

وہ اساطیری قصوں، روایات، عقائد، توہمات اور حکایات کے ذریعے ہماری تہذیبی جڑوں کی تلاش کرتی ہیں اور موجودہ

تہذیب، جو ان روایات سے کٹ کر رہ گئی ہے اس کی بے زمینی پر تنقید کرتی ہیں۔[۲]

قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی دونوں تصورات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان کے ہاں علامتیں بھی ہیں اور زبان و بیاں کا نیا لسانی رویہ بھی جو ان کے افسانوں میں سحر کاری پیدا کرتا ہے۔سید محمد اشرف کے خیال میں:

''شیشے کے گھر'' ۱۹۴۶ میں منظر عام پر آیا تھا اور اسے جدید افسانے کا نقطہ آغاز مانا جاتا ہے۔ ان میں شامل بیشتر افسانے طبعی اور مابعدالطبعی تصورات کے آئینہ خانے میں جن میں الفاظ، استعارے، علامتیں اور کردار زندگی کے لمحاتی اور ابدی سوالات سے نبرد آزما نظر آتے ہیں۔[۳]

قرۃ العین حیدر کے افسانے ایک عہد کی تاریخ اور ایک عہد کا آشوب بھی ہیں۔ زندگی اور کائنات سے متعلقہ ہر موضوع ان کے ہاں موجود ہے۔ قرۃ العین حیدر کے فن کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ان کی مخصوص نفسیات کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر علی اطہر لکھتے ہیں:

مختلف علامتوں اور کرداروں کے ذریعے تاریخ ، وقت، ثقافت، نظریاتی کشمکش، آزاد جمہوری ذہنیت اور معاشرے کی سطح پر فسطائیت کی Inherit Tragedy اس کے ہاں وہ موضوعات ہیں جو کم و بیش اس کی ہر تخلیق میں کسی نہ کسی صورت ضرور نظر آتے ہیں۔[۴]

قرۃ العین حیدر کے افسانوں کے موضوعات دھرتی سے محبت، جڑوں کی تلاش، تہذیبی تسلسل اور تاریخی تغیرات سے نمو پاتے ہیں۔انسانی وجود کی تلاش اور معاشرتی اقدار کی ٹوٹ پھوٹ بھی ان کے افسانوں کے اہم موضوعات بنے۔ وہ تلاش ذات، عرفان ذات اور تلاش وجود میں سرگرداں نظر آتی ہیں ان کی یہ تلاش انسانی وجود اور کائناتی حوالوں سے ہے۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں عرفانِ ذات کے مسائل بالآخر تصوف میں جا کر کھلتے نظر آتے ہیں انہوں نے دیگر موضوعات مثلاً اپنی نسلی بنیادوں کا کھوج، جڑوں کی تلاش، کربلا کے واقعات سے اپنی ذات کی نسبت اور اسلامی تہذیب جیسے اہم موضوعات کے ساتھ ساتھ تصوف کے موضوعات کو بھی اپنے افسانوں میں شامل رکھا ہے۔ بقول امجد طفیل:

تشخص کی تلاش کا عمل ہندو تہذیب، ہندوستان میں پروان چڑھنے والی اسلامی تہذیب، اپنی نسلی بنیادوں کی تلاش، کربلا کے واقعے سے اپنی خاندانی نسبت اور اپنی جڑوں کی تلاش میں صدیوں کے سفر کے بعد ایسا لگتا ہے کہ قرۃالعین حیدر نے آخر کار تصوف میں پناہ لی ہے۔[۵]

قرۃ العین حیدر کے ہاں علامتی انداز منفرد طریق پر ابھرتا ہے۔ انہوں نے افسانوں میں بھی اپنا مخصوص علامتی نظام وضع کیا ہے۔ ان افسانے کے عنوانات علامتی ہونے کی بنا پر اپنے اندر تہہ داری لیے ہوئے ہیں۔قراۃ العین حیدر کے افسانوں زمان و مکاں کی حد بندیوں سے ماوراء ہو کر ماضی، حال اور مستقبل کی صورت میں ایک ہی تسلسل میں رواں دواں نظر آتے ہیں۔ وہ وقت کی ساری حدود کو پار کر کے عصر جدید میں رہتے ہوئے بھی پرانی تہذیبوں، روایات اور تاریخ وثقافت میں کھو جاتی ہیں اور موجودہ عصری صورتحال کا موازنہ پرانی تہذیبوں میں جا کر کرتی ہیں۔قراۃ العین حیدر کا تخیل زمان و مکاں کی حدود سے کہیں آگے تک رسائی رکھتا ہے۔ ان کے موضوعات اور کہانی کی بنت زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہیں۔ اسی بنا پر ان کے تخلیقی تخیل کی جہتیں کثیر ہیں۔بقول

شمیم حنفی:''ان کے تخلیقی تخیل کی جہتیں کثیر ہیں۔ چنانچہ زماں کا کوئی دور اور مکاں کا کوئی دائرہ اس تخیل کی راہ میں حائل نہیں ہوتا''۔[۶] فنی و تکنیکی سطح پر بھی قرۃ العین حیدر کے ہاں تنوع پایا جاتا ہے۔ وہ شعور کی رو، علامت و تجرید، تمثیل اور خود کلامی کی تکنیکوں کو استعمال میں لا کر اپنے افسانوں کو کثیر الجہات بناتی ہیں۔قرۃ العین حیدر کی افسانہ نگاری سے جو اسالیب بھی وجود میں آئے وہ جدید افسانے کی شناخت بن کر ابھرے۔ان کے ہر افسانے کا اسلوب جدا، تکنیک الگ اور موضوع کو برتنے کا سلیقہ بھی منفرد ہے۔ وہ اپنی افسانوی تکنیک میں جیمس جوائس اور ورجینا وولف سے مماثلت رکھتی ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے افسانوں پر ایک نظر ڈالیں تو افسانہ ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی، تصوف کی روایت کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔اس افسانے میں قرۃ العین حیدر کے متصوفانہ خیالات و نظریات کھل کر سامنے آئے ہیں۔ بیکتاشی سلسلہ وسط ایشیا کی متصوفانہ روایت کا ایک اہم سلسلہ ہے۔ یہ روایت ہے کہ بیکتاشی سلسلے کے بزرگ عام انسانی سطح سے بالا تر ہو کر ماورائی لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ یہ بزرگ اپنی ریاضت، زہد و تقوی، مراقبے و مراسلے سے گزر کر فوق البشری کے درجے کو پہنچ چکے ہیں۔'ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی' میں اس نکتہ کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ فوق البشری کا مرتبہ پا لینے کے بعد انسان، انسانی علائق و بندشوں سے اپنا دامن بچا سکتا ہے۔ وہ اس مقام پر پہنچ کر دیگر انسانی امور یعنی تقدیر کے فیصلوں، عام انسانی بے بسی، بیماری وغیرہ سے مبرا ہو سکتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ وہ متصوفانہ راہوں پر چل کر الوہیت کا درجہ پا لینے کے بعد بھی دو سطحوں پر زندگی بسر کرتا ہے جن میں سے ایک سطح ماورائی اور دوسری سطح ہے عام انسانی۔ ایسے بزرگوں اور برگزیدہ انسانوں کی ان دو سطحوں میں ہر لحظہ کشمکش جاری رہتی ہے۔ تصوف کے مراحل میں اس مابعد الطبیعیاتی سطح کو خاص اہمیت حاصل ہے۔'ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی' کی اساطیری جہات بھی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ اس افسانے میں کوہِ ارادات اور فاختہ کا حوالہ افسانے کی اساطیری بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے۔افسانے میں کئی روحانی حوالے بھی ملتے ہیں:

> تو کیا دیکھتی ہوں کہ آذربائیجانی غالیچے پر دو ہم شکل درویش آمنے سامنے خاموش بیٹھے ہیں۔ ایک کونے میں چینی کا ایک فرنچ سٹوو رکھا ہے جس پر گلاب کے پھول پتے ہیں، ایک شہتیر سے ایک طنبورہ آویزاں ہے اور فرش پر ایک نے رکھی ہے کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی روحانی بانسری کی نمائندہ ہے۔[۷]

اس اقتباس میں طنبورہ، گلاب کے پھول اور نَے روحانی فضا قائم کرتے ہیں۔ اسی افسانے میں بابا گل بیکتاشی کی طریقت کی رسم کا بیان بھی ہے۔ بیکتاشی فقرا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے تھے۔

> المصطفےٰ اکثر بھوکے رہنے کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے رہتے تھے اور بیکتاشی فقرا، اسی سنت رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ درویش نے بیکتاشی طریقت کی ایک رسم شروع کی، اس نے پٹکے کی گرہ باندھی اور کھولی اور دہرایا' میں شر کو باندھتا اور خیر کو کھولتا ہوں، میں جہالت کو باندھتا اور خوف الٰہی کو کھولتا ہوں، طمع کو باندھتا اور فیاضی کو کھولتا ہوں۔ میں عجز و انکساری کی درانتی سے پرہیزگاری کی فصل کاٹتا ہوں۔ میں خود آگہی میں بوڑھا ہوتا ہوں اور صبر کے تنور میں اپنی روٹی پکاتا ہوں۔[۸]

قرۃ العین حیدر نے اس افسانے میں زمان و مکاں کی حدود کو توڑ کر اسطوری جہات دریافت کی ہیں۔ سہیل احمد اس افسانے

پر تبصرہ کرتے ہیں۔

قراۃالعین حیدر کی خوب صورت کہانی 'ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی' میں تو بہت سی روایتوں کو ملایا گیا جن کے ذریعے اصل اور بہروپ کے جدلیاتی تصادم کو بڑی زمانی سطح پر پیش کیا گیا ہے۔[9]

افسانہ' روشنی کی رفتار' میں زمان و مکاں کی حدود سے بالاتر ہو کر کہانی کی بنت کی گئی ہے۔ اس افسانے میں قبل مسیح کے فراعین مصر کی اسطورہ استعمال کی گئی ہے۔ فراعین مصر کے زمانے کو موجودہ زمانے سے جوڑ کر افسانے میں پہلو داری اور نئی معنویت پیدا کی گئی ہے۔ روشنی کی رفتار' میں ڈاکٹر پدما کرین، اس کا دوست ثوت اور ایک عبرانی شخص اہم کردار ہیں۔ ڈاکٹر پدما کرین کو ایک ٹائم راکٹ میں سوار ہو کر وہ قبل مسیح کے فراعینِ مصر کے زمانے میں جاتی ہے۔ یہ عجیب و غریب قسم کا راکٹ تھا۔ راکٹ میں متعدد پش بٹن اور سوئچ تھے جن پر صدیوں کے اعداد درج تھے۔ جب وہ راکٹ سے باہر نکلی تو اس کی کہنی ۱۳۱۵ ق۔م کے بٹن سے دب گئی۔

ان کی داہنی کہنی ۱۳۱۵ ق۔م والے پش بٹن سے ٹکرا گئی۔ سفید روشنی کا ایک کوندہ لپکا... راکٹ نہ معلوم کہاں سے کہاں۔ ڈاکٹر کرین کے ہوش اڑ گئے۔ آنکھیں کھولیں... شکر خدا کا۔ روکٹ زمین پر اتر چکا تھا۔ سرخ سوئی ۱۳۱۵ ق۔م پر ٹک گئی۔۔۔ دروازہ خود بخود کھلا۔ پدما میری باہر نکلی سامنے جھیل کے کنارے ایک ننھا گڈریا پتھر پر بیٹھا بانسری بجا رہا تھا۔ کھجوروں کے نیچے بکریاں چر رہی تھیں۔ افق پر اہرام۔ گڈ نیوز۔ یہ تو مصر نکلا۔ گڈ اولڈ ایجپٹ۔ ۱۰

۱۳۱۵ ق۔م سے اس کا دوست ثوت اس کے زمانے میں واپس آ تا ہے۔ مگر یہاں سے اکتا کر وہ جلد اپنے زمانے میں واپس چلا جاتا ہے۔ ڈاکٹر پدما کرین اپنے دوست ثوت کو چھوڑنے جاتی ہے مگر اس لیے واپس نہیں آتی کہ وہ راکٹ ایک عبرانی شخص اڑا کر نئے زمانے میں لے جاتا ہے۔ یہ وہ عبرانی ہے جسے پدما کرین اس کے روشن مستقبل کے قصے خود سنا چکی تھی۔ اس افسانے میں دو تین زمانوں کی سیر راکٹ کے ذریعے کروائی گئی ہے اور مصر کے فراعین جو ستم پیشہ تھے ان کا موازنہ آج کے حکمران سے کیا گیا ہے۔

بتاؤ مجھ سے سوا تین ہزار سال بعد تم کتنی متمدن ہو۔۔۔؟ ہم بنی اسرائیل پر ظلم ڈھاتے تھے اور اشوریہ سے لڑتے تھے۔ تم سب ایک دوسرے کے ساتھ بے انتہا پیار محبت سے رہتے ہو۔ ہمارے فراعنہ ستم پیشہ تھے۔ تمہارے حکمراں فرشتے ہیں۔ تمہاری دیومالائیں، نظریہ تمثیث، روحانیت، یہ وہ سب عین سائنٹیفک ہیں۔ تمہاری جنگیں ہیومنزم پر مبنی ہیں۔ تمہارا نیوکلیر بم بھی خالص انسان دوستی ہے۔۔۔ ہے نا۔۔۔؟ تمہاری روشنی کی رفتار واقعی تیز ہے۔[11]

روشنی کی رفتار' میں مصری اور عبرانی اسطورہ کی ازمنہ قدیم کی جھلکیاں بھی موجودہ عہد کے تناظر میں پیش کی گئی ہیں۔ اس افسانے کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ اگر انسان روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر سفر کرنے کا کوئی واسطہ، وسیلہ یا ذریعہ دریافت کر لے تو ماضی اور مستقبل کا بیک وقت مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی مناسبت سے افسانے کے دو مرکزی کرداروں کو ایک ایسے سفر پر بھیج دیا جاتا ہے جن میں سے ایک کا سفر ماضی اور ایک کا مستقبل کی جانب ہوتا ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے تاریخ اپنے تضادات اور حیرت زائیوں کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

قرۃ العین حیدر کا افسانہ 'کیکٹس لینڈ' زمان و مکاں کی قیود سے ماورائیت کے علاوہ وجودیت کے فلسفہ کے اثرات اور ان کے تحت احساس تنہائی اور غیریت کے اہم ترین عناصر لئے ہوئے ہیں۔ کیکٹس لینڈ دراصل موجودہ عہد کی مادی ترقی کے نتیجے میں ابھرنے والے روحانی وفکری زوال کی داستان ہے۔ 'کیکٹس لینڈ' کا موضوع اگرچہ تقسیم برصغیر کے بعد وہ تہذیبی شکستگی ہے جس نے انسانی قدروں اور انسانی رشتوں کو پامال کیا ہے مگر اس موضوع کے پس پشت وہ تاریخی وتہذیبی پہچان کارفرما ہے جو انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس افسانے کے کردار اس تہذیبی و تاریخی پہچان و وابستگی کے لیے اپنی ہی تلاش میں مصروف ہیں جس کے نہ ہونے نے ان کی اپنی شناخت کو بے معنویت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے اور وہ کائنات میں اپنے وجود کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

> جنگ ختم ہو چکی تھی۔ لیکن جنگ کا پرندہ کائنات کی بیکراں تاریکی کے اوپر مریخ کی مدھم، سرخ، گرم روشنی میں آہستہ آہستہ پرواز کرتا جا رہا تھا اور یہاں پر صرف چلتے ہوئے وقت کی آواز تھی جو اس طرف جا رہا تھا جہاں بہار نہیں تھی۔ زندگی نہیں تھی جہاں کسی سوال کا جواب نہیں ملتا تھا۔ وہ جو پنکی اشرف کہلاتا تھا اس نے ٹھٹھک کر اس بھاگتے ہوئے وقت کے کنارے کو چھونے کی کوشش کی۔ آخر وہ تھک کر اٹھ کھڑا ہوا۔[۱۲]

'کیکٹس لینڈ' میں پیلو سعید، طلعت جمیل، پنکی اشرف اور عطیہ ایسے کردار ہیں جو تہذیبی بازیافت کے مراحل سے گزرتے ہیں اور اس تہذیب و فضا کی گمشدگی پر غمزدہ ہیں۔ افسانہ نگار یہاں زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہو کر دوسری جنگ عظیم، تقسیم اور فسادات سب کی کچھ کچھ جھلکیاں پیش کرتی ہیں اور وہ موجودہ حالات کا موازنہ ان حالات سے کرتی ہیں۔ یہ تمام کردار قلب ماہیت کے ذریعے انفرادی حیثیت کو بھول کر ایک اجتماعی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے عہد کی تاریخ کا خاموش حصہ بن جاتے ہیں۔ 'کیکٹس لینڈ' میں درخت کٹنے کا عمل ہے جو تہذیبوں کے بچھڑنے کی علامت بن کر ابھرتا ہے اور پھر قرۃ العین کئی زمانوں، کئی صدیوں کی بات کرتی ہیں۔ یہ تمام صدیاں، زمانے آج کے زمانے سے خلط ملط ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں بھی وقت کا دائروی اور دیومالائی تصور کارفرما نظر آتا ہے جس میں تمام زمانے ایک ہی گردش کا شکار ہیں۔ اس لیے آپس میں گڈ مڈ ہو جاتے ہیں۔ وقت کے سطروی تصور میں زمانوں کی ترتیب باقی رہتی ہے مگر یہاں 'کیکٹس لینڈ' میں جو درخت کاٹ رہا ہے اس کے پیچھے وہ سارے زمانے گھٹتے آ رہے ہیں۔

> پھر انہی چوٹیوں پر چلتے ہوئے اس نے دیکھا کہ عالم موجودات کا یہ اجتماعی شعور زندگی کے ویرانے میں بھٹکتا پھر رہا ہے۔ انسانوں کی جھکی قطاریں اس نے دیکھیں۔ یہ انسان جو پگڈنڈی پر جا رہا ہے۔ جو درخت کاٹ رہا ہے۔ اور اس کے پیچھے وہ سارے زمانے گھٹتے آ رہے ہیں۔ سنہرے سیاہ زمانے ... وہ دنیا کے آخری سمندر، آخری طوفانوں کے قریب آئی۔ وہ ان کے نزدیک آئی اور اس نے عناصر کی گرجدار گفتگو کو سنا۔ جو زمان و مکاں کی زبان حال تھی۔[۱۳]

تاریخیت بھی اس افسانے میں ایک غیر مرئی کردار کے طور پر دکھائی دیتی ہے۔ قرۃ العین نے انسانی تاریخ سے متعلق سوالات کو وقت کے مابعدالطبیعیاتی تصور سے جوڑ کر افسانے کو وسعت بخشی ہے۔

> یہ میں، جو میں ہوں، خاموشیوں کی دیبی نے آہستہ سے کہا۔ تم جس راستے پر چلو گے، بالآخر مجھ تک پہنچو گے ۔۔۔ میں ستی ہوں، میں یشو دھرا ہوں۔۔۔ میں تمہارے وجود کا سایہ ہوں، سایہ جو کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ جو ہمیشہ آگے آگے چلتا ہے لیکن مل نہیں سکتا اور مستقبل کی صدیوں کے اندھیرے میں کھو جاتا ہے۔[۱۴]

'کیکٹس لینڈ' میں زمان و مکاں کا التزام اٹھ جاتا ہے اور کئی زمانے باہم متصل دکھائی دیتے ہیں۔'کیکٹس لینڈ' جڑوں کی تلاش کی کہانی بھی ہے جس میں وقت کی حیثیت مکاں کے نعم البدل جیسی ہے۔شمیم حنفی اس افسانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> پہلی عالمی جنگ کے بعد ایلیٹ نے ایک خرابے (Wasteland) کا نظریہ ترتیب دیا تھا۔قرۃ العین حیدر نے دوسری عالمی جنگ کے بعد ایک ''کیکٹس لینڈ'' (شیشے کا گھر) کی کہانی لکھی ۔ بے زمینی اور بنجر، اجاڑ مظاہر سے وابستہ تجربوں کے بعد اپنی جڑوں کی تلاش معاصر عہد کے ادراک کی ایک علیحدہ منطق ہے ۔اسے اول الذکر تجربے کی توسیع سے زیادہ ایک نئے تجربے سے روشناسی کا عمل کہنا چاہیے ۔ شاید اسی لیے قرۃ العین حیدر کے یہاں Wasteland کے بجائے Roots کی جیسی ایک گونج سنائی دیتی ہے۔یہاں وقت کی حیثیت مکاں کے نعم البدل کی ہے''۔[۱۵]

قرۃ العین حیدر کا افسانہ 'جہاں پھول کھلتے ہیں' زمان و مکاں کے تناظر میں لکھا گیا ہے ۔اس میں پراسرار زمانوں کی بات ہے جن کو موجودہ عصری حالات کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے ۔'جہاں پھول کھلتے ہیں' میں ماضی کی بازیافت کا عمل ہے جو افسانہ نگار کے نوسٹلجیک Nostalgic رویہ کی عکاسی کرتا ہے ۔ وہ انسانی رویوں کو انسانی تاریخ کے تناظر میں دیکھتی ہیں ۔ازمنہ قدیم کی تہذیبی روایات کے سلسلے کو موجودہ عہد سے جوڑنے کی سعی ناتمام بھی اس افسانے میں دکھائی دیتی ہے ۔ وقت اور موت کے مابعدالطبیعیاتی تصورات کو بھی پیش کیا گیا ہے ۔ افسانے میں ماضی کی بازیافت کا عمل ہے ۔ پراسرار زمانوں کی باتیں ہیں ماضی کی جانب پلٹ کے دیکھنے کا رجحان ہے جو وقت کے ماوراء ہونے کے تصور کو پیش کرتا ہے ۔

> ان عجیب دورافتادہ پراسرا زمانوں سے لے کر اب تلک ۔ ان بائیس سالوں کی ریتوں پر چلتے ہوئے میں وقت کے اس کنارے پر آئی ہوں جہاں صرف اپریل کی رات کی اتھاہ ،کھلتی اٹھتی خوشبو ہے ۔۔۔آج کی رات میں نے پچھلے سارے زمانوں کو جمع کر کے ایک طرف رکھ دیا ہے۔ اور پیچھے کی اور دیکھ رہی ہوں۔۔۔ جہاں مری ہوئی صدیوں کے سائے گزرتے ہیں ...ایسا کس طرح ہے کہ ہم اپنے لیے جو چھوٹے چھوٹے شیشے کے گھر بنا کر محفوظ ہو بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے نکل کر ہم آگے نہیں دیکھ پاتے ، پھر موت آتی ہے اور سب کچھ ختم ہو جاتا ہے ۔[۱۶]

'جہاں پھول کھلتے ہیں' میں فلسفہ وجودیت کے گہرے اثرات بھی نظر آتے ہیں ۔ انسان جو اپنے وجود کے ہونے کا تعین چاہتا ہے یہاں بھی پریشان حال ہے اور قرۃ العین حیدر اس افسانے میں نا صرف انسان کے وجود کا احساس دلانا چاہتی ہیں بلکہ نوع انسانی کے مختلف گروہوں کا ذکر بھی کرتی ہیں جو ایک عدم وجود سے دوسرے عدم وجود تک کے فاصلے طے کرنے میں سرگرداں ہیں۔' جہاں پھول کھلتے ہیں' میں انسان کی زندگی کے اسرار کو جاننے کی ایک سعی لا حاصل بھی ملتی ہے ۔ انسان جو پیدائش کائنات سے اپنے وجود کا تعین رکھتا ہے نجانے کب اور کہاں سے وجود میں آیا اور پھر نجانے کس طرف چلا جاتا ہے ؟نسل درنسل سے جاری یہ سلسلہ انتہائی پراسرار ہے ۔

> کتنے اَن گنت انسان مجھ سے پہلے پیدا ہوئے۔ ہزاروں برس سے ایک نسل کے بعد دوسری نسل کی زندگیوں کا یہ سلسلہ کیسا لڑکھڑاتا چلا آ رہا ہے ۔ میرے اتنے بے شمار پرکھ بھی کبھی زندہ رہے ہوں گے۔۔۔ برساتوں میں خوش ہوتے ہوں گے ۔ اپنے پرکھوں کی ان تاریک قطاروں کے سائے بھی بے حد پراسرار معلوم ہوئے ۔[۱۷]

> ' جہاں پھول کھلتے ہیں' دراصل ماضی کی یادوں میں لکھا جانے والا افسانہ ہے ۔ کہانی میں بظاہر مصنفہ اپنے والد کی

وفات کے بعد ان کے ساتھ گزرے ہوئے دنوں کی بازیافت کر رہی ہیں اور اسی یاد کے پس پشت وہ نسل انسانی ، تہذیب انسانی اور ازمنۂ قدیم کے پراسرار زمانوں کو بھی یاد کرتی ہیں اور ان کا موازنہ دورِ حاضر کی تہذیب سے کرتی ہیں ۔'' آج کی رات میں نے سارے پچھلے زمانوں کو جمع کر کے ایک طرف رکھ دیا ہے اور میں پیچھے کی اور دیکھ رہی ہوں''۔[۱۸]

مجموعی حیثیت سے قرۃالعین حیدر کے افسانوں میں تاریخ وتہذیب ، اساطیر ، آرکی ٹائپس ،قصص و حکایات و ملفوظات ، زمان و مکاں کے ما بعد الطبیعیاتی تصورات ، ٹاٹسٹجیا ، اسلامی متصوفانہ روایات ،انبیائے بنی اسرائیل کے زمانی و مکانی ماحول ، فلسفہ، نفسیات ، سماجیات، دیومالا ، تاریخیت، ماورائیت اور اسراریت جیسے ما بعد الطبیعیاتی عناصر ملتے ہیں۔ ان کے ہاں قدیم آریائی تہذیب ، قدیم مصری تہذیب ، وسطی یورپ کی عیسائی تہذیب ، وسط ایشیا کی اسلامی متصوفانہ روایت اور بنی اسرائیل کی تہذیبی روایات کی جھلکیاں بڑی واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں ۔قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں وقت کا ما بعد الطبیعیاتی تصور ابھرتا ہے ۔ان کے افسانوں میں جس زمانی و مکانی ماحول کی عکاسی ہوتی ہے وہ وقت کی قیود سے بالا تر ہے ۔ وہ ماضی ، حال اور مستقبل کا ادراک ایک سیال سطح پر کرتی ہیں ۔ وقت کی یہ سیال سطح کم و بیش ان کے ہر افسانے میں موجود ہے۔ فنا اور وقت کے مسائل سے قطع نظر جو صورتحال ان کے افسانوں میں ابھرتی ہے وہ انسانی تاریخ کے ایک لامختتم سلسلے کی نشاندہی کرتی ہے ۔ وہ وقت کی قیود سے بالا تر ہو کر انسانی تہذیب کے اس دور میں داخل ہو جاتی ہیں جو آریائی تہذیب کا دور ہے جو قدیم مصر کی تہذیب ہے اور پھر آج کی انسانی تاریخ وتہذیب کا موازنہ ان قدیم تہذیبوں سے کرتی ہیں ۔ ان کے افسانوی مجموعے' شیشے کے گھر' میں شامل افسانوں میں قرۃ العین حیدر کے ذہن میں وقت کی ماہیت اور قوت سے متعلقہ ابھرنے والے سوالوں کو دیکھا جا سکتا ہے ۔ ان افسانوں میں وقت کے تخریبی امکانات بتدریج واضح ہوتے ہیں ۔ ان کے ہاں وقت کے اس بہاؤ میں اقامت کی علامتیں ، زمین ، کھیت ، گھر ، مٹتی جا رہی ہیں مثلاً 'کیکٹس لینڈ' میں قرۃ العین کے وقت کے متعلق ما بعد الطبیعیاتی نظریات کی عکاسی ہوتی ہے۔قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں تصوف کی مربوط روایت کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں ۔ وہ اسلامی تاریخ کی متصوفانہ روایت سے اپنے افسانوں کا تار پود بنتی ہیں۔ وہ قرآنی قصص اور انبیائے کرام کے قصوں اور تصوف کی روحانی وقلبی وارادت سے کہانیوں کی بنت کرتی ہیں ۔ان کے اس متصوفانہ رجحانات کے حامل افسانو ں میں'روشنی کی رفتار'، 'اعترافات سینٹ فلورا آف جارجیا' ، 'ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی' اور' آئینہ فروش شہر کوراں' وغیرہ شامل ہیں۔قرۃ العین حیدر نے تاریخی وتہذیبی ماضی کی بازیافت سے افسانوں میں ما بعد الطبیعیاتی رنگ پیدا کیا ہے ۔ ماضی کی بازیافت اور قدیم تہذیبوں کا خلاقانہ شعور ، تہذیبی جڑوں کی تلاش ان کا خاص موضوع رہا ہے ۔ وہ قدیم تہذیبوں سے ما بعد الطبیعیاتی اور اساطیری روایات چنتی ہیں ۔ ان کے اس اساطیری رجحان کے حامل افسانوں میں 'دوسیاح' ، 'دکھلائے لے جا کے تجھے مصر کا بازار'،'آئینہ فروش شہر کوراں' ، 'روشنی کی رفتار' ، اعترافات سینٹ فلورا آف جارجیا ، 'ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی' زیادہ اہم ہیں ۔

قرۃ العین کے افسانے مخصوص داستانوی رنگ لیے ہوئے ہیں ۔ داستانوں کے رومانی اثرات ان کے افسانوں میں ما بعد الطبیعیاتی جہات پیدا کرتے ہیں۔ اس نہج کے افسانوں میں' میں نے لاکھوں کے بول سہے' ،'برف باری سے پہلے' ،'یہ داغ داغ اجالا' ،' جہاں پھول کھلتے ہیں' ،' پوم پوم ڈارلنگ' اور' دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم' نمایاں ہیں ۔

قرۃ العین کے ہاں اساطیری رجحان بہت نمایاں ہے ۔ ان کے ہاں مصر، بابل ، چین ، ایران کے علاوہ ہندی و اسلامی اساطیر بھی دکھائی دیتی ہے ۔ اساطیری رجحان کے حامل افسانوں میں 'آئینہ فروش شہر کوراں' ، 'روشنی کی رفتار'، 'دو سیاح' ، 'دکھلائے لے جا کے تجھے مصر کا بازار' اہم ترین افسانے ہیں ۔قرۃ العین ان افسانوں میں قدیم اساطیر کا رشتہ دور جدید سے جوڑتی نظر آتی ہیں ۔

قرۃ العین کے افسانوں میں رومانویت بھی ایک مابعد الطبیعیاتی عنصر کے طور پر ابھرتی دکھائی دیتی ہے ۔ وہ ہجرت ، بے وطنی دوتہذیبوں کے ٹوٹنے ، انسان کی ذہنی کشمکش اور انتشار کو الفاظ کے قالب میں ڈھالتی ہیں ۔ وہ پرانی تہذیبوں اور کتھاؤں میں اپنا موجودہ تہذیبی اور ثقافتی حوالہ ڈھونڈتی ہیں ۔ یہ تمام پہلو مل کر قرۃ العین کے افسانوں میں رومانویت پیدا کرتے ہیں ۔ ان کے ہاں ایک مخصوص تخیلی فضا ہے وہ ماضی کے دھندلکوں میں کھو جاتی ہیں اور افسانہ خواب و خیال کی کہانی بن جاتا ہے ۔ ان کے تخیلی رجحان کے حامل افسانوں میں 'سنگھار دان' ،'فوٹوگرافر'، 'آوارہ گرد'، 'فصل گل آئی یا اجل آئی' ، وغیرہ اہم ہیں ۔ ان کے افسانوں میں موجود یہ تخیلی رجحان ان کے ہاں مابعد الطبیعیاتی عناصر کی نشاندہی کرتا ہے ۔

مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو تاریخ کا خلاقانہ شعور ، زمان و مکاں کے مسائل ، تہذیبی جڑوں کی تلاش ،قصص و اساطیر ، روایات و صنمیات، تصوف اور عقائد و توہمات کے ذریعے سے قرۃ العین حیدر نے اپنے افسانوں میں مابعدالطبیعیاتی رنگ پیدا کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مہدی جعفر، بحوالہ اردو افسانہ اور اساطیر، قاضی عابد، ڈاکٹر، ص۳۳۷

۲۔ نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر، اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ، ص۱۹۱

۳۔ محمد اشرف سید، اردو میں مابعد جدید افسانے کے تشکیلی عناصر کی شناخت ، کچھ اشارے، مشمولہ : اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ، مرتب: گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۴

۴۔ علی اطہر، ڈاکٹر، آوارہ گرد، مشمولہ: قرۃ العین حیدر، ایک خصوصی مطالعہ، مرتب: سید عامر سہیل ، بیکن بکس گلگشت، ملتان،۲۰۰۳ء ص ۴۶۳

۵۔ امجد طفیل، قرۃ العین حیدر، تشخص کی تلاش میں، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساونڈز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۴۳

۶۔ شمیم حنفی، نظارہ درمیان ہے، مشمولہ : کہانی کے پانچ رنگ، نگارشات، لاہور، س۔ن، ص۱۱۲

۷۔ قرۃ العین حیدر، ملفوظات حاجی گل بابا بیکتاشی، مشمولہ : قرۃ العین حیدر کے بہترین افسانے، مرتب : کوکب کاظمی، چودھری اکیڈمی، لاہور، س۔ن، ص ۱۹، ۱۸

۸۔ ایضاً، ص ۱۹

۹۔ سہیل احمد، سرچشمے ، علامتوں کی تلاش، قفس پاک ٹی ہاؤس، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۱۵

۱۰۔ قرۃ العین حیدر، روشنی کی رفتار، مشمولہ : قرۃ العین کے بہترین افسانے ، ص ۱۸۹، ۱۸۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۱۵

۱۲۔ قرۃ العین حیدر، کیکٹس لینڈ، مشمولہ: شیشے کے گھر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۵۲

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۵۶

۱۵۔ شمیم حنفی بحوالہ قرۃ العین حیدر، نظارہ درمیان ہے، ص۱۱۲

۱۶۔ قرۃ العین حیدر، جہاں پھول کھلتے ہیں، مشمولہ: شیشے کے گھر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۵۴، ۲۵۳

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۶۳

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۵۴